باستا ودھ جھگڑے کا دارومدار تھا۔ جس طرح تحریک جہاد کی ناکامی نے اس کو ایک نئے سیاسی پروگرام کا راستہ دکھایا اسی طرح
ے سر سید نے اپنے نئے مذہبی فکر اور تصور کا نقشہ ذہن میں استوار کیا۔

اگر مذہب سے مراد وہ مذہب لیا جائے جس کے محافظ ترکی اور ہندوستان کے اس وقت کے علماء تھے تو یقیناً سر سید
کے سخت خلاف تھے کیونکہ ان کے نزدیک جس چیز کے یہ محافظ تھے وہ اسلام نہ تھا جس کی تعلیم قرآن مجید دیتا تھا بلکہ یہ بعد
فقہا اور علماء کے فیصلوں اور آراء پر مبنی تھا جن کو تسلیم کرنا مسلمان کے نزدیک اس طرح ضروری اور فرض نہیں جس طرح قرآن مجید
حکام یا رسول خدا کے اقوال۔ سر سید کو بلاشک شاہ اسمٰعیل شہید سے بہت عقیدت تھی اور ان کے مختلف لیکچروں اور خطوں
وہ شرکت کر چکے تھے اور ان کی اصلاحی تحریک سے وہ بہت حد تک متفق بھی تھے۔ بعد میں تہذیب الاخلاق کے ذریعہ جو
جہاد انہوں نے غلط رسوم اور تصورات کے خلاف کیا اس کی ذہنی بنیاد انہوں نے انہی بزرگوں کے طفیل حاصل کی تھی۔ لیکن
جہاں تک اس تحریک کے سیاسی پہلو کا تعلق تھا وہ اسے ناقابل عمل سمجھنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ہندوستان
مذہب کو سیاست کی بنیاد بنانا ایک بالکل غیر دانشمندانہ اقدام ہوگا۔ ہمارے سیاسی اور معاشی تصورات جن کو ہم اسلام
نام پر پیش کرتے تھے اور جن میں سر مو انحراف ہمارے علماء کے لئے قابل برداشت نہ تھا، زمانہ جدید کے لئے اس قدر
بل عمل تھے کہ ان کی روشنی میں کسی نئی سوسائٹی کی تعمیر ناممکن تھی۔ چنانچہ سر سید ان حالات میں مجبور تھے کہ مذہب کا
تصور پیش کریں تاکہ اس کی اقدار قائم بھی رہیں اور مسلمانوں کو دور جدید کے نئے تقاضوں کے مطابق آگے چلنے کا موقع
حاصل رہے۔ اسی مقصد کے لئے انہوں نے حضرت عمر کے مشہور فقرے حسبنا کتاب اللہ کو اپنی نئی تعلیم کا سنگ بنیاد بنایا۔
روشنی میں احادیث رسول کی تنقید کی اور فقہی مسائل میں نہ صرف اجتہاد کی ضرورت پر زور دیا بلکہ خود کئی مسائل میں
بھی کیا۔ سر سید کے نقطہ نگاہ سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن ان کے اصول سے دور جدید کے سب مفکرین متفق ہیں حتیٰ کہ
مفتی عبدہ نے کئی معاملات میں وہی خیالات پیش کئے جو سر سید کر چکے تھے اور جن کی بنا پر ہندوستان کے علماء اور
جمال الدین افغانی انہیں کافر، نیچری اور اسلام دشمن قرار دے چکے تھے۔

انہوں نے اسلام کو جسے وہ اپنی تحریروں میں ٹھیٹھ اسلام کہا کرتے تھے صرف قرآن مجید تک محدود کیا جو ہر مسلمان کے
لئے قابل عمل ہے۔ احادیث کے متعلق انہوں نے تفصیل سے بحث کی اور ثابت کیا کہ اس میں جدید سائنٹیفک طریقے سے تنقیح کی
ضرورت ہے۔ لیکن ان کا مسلک یہی تھا کہ جو چیز روایتاً اور درایتاً صحیح ثابت ہو جائے وہ قابل قبول ہے۔ لیکن اس میں
انہوں نے ایک تفریق کی طرف توجہ دلائی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ سنت نبوی میں ہم صرف اسی چیز کو قبول کرنے پر مجبور ہیں
جو احکام دینی کہا جا سکے۔ دنیاوی معاملات میں وہ ہر مسلمان کو زمانے اور وقت کے اقتضاء کے مطابق زندگی گذارنے
کی آزادی دینا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ سیاست، معیشت، طرز زندگی، ملبوس و ماند، تعلیم، تمدن وغیرہ معاملات میں
ان کو اختیار ہے کہ جو نسا طریقہ مناسب اور بہتر ہو وہ اختیار کریں، اس میں ان پر ... مذہب کی طرف کوئی پابندی

نہیں۔ چنانچہ حکومت ترکیہ کے افسوسناک حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ یہ تمام خرابیاں، بدعنوانیاں اور تباہی کہ مسلمان اسی غلط خیال کا نتیجہ ہیں جس کے موجب دینی و دنیوی دونوں قسم کے کاموں کو مذہب میں شامل سمجھا ہے اور انتم اعلم بامور دنیاکم کے جملے کو چھوڑ دیا ہے۔

ایک دوسری جگہ کہتے ہیں:-

"سچا مذہب امور دنیوی سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ ہاں چند معظم باتوں کا جن کا اثر اخلاق پر زیادہ تر ہے اور جو وہ بنیادی اصول بیان کر دیتا ہے۔ کچھ شبہ نہیں کہ اسلام بھی جو بے شک ایک سچا مذہب ہے انہی اصولوں پر مبنی ہے اور ہمارے رسول مقبول کا یہ قول کہ ما آتاکم من امر دینکم فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا اس پر دلیل کامل ہے اور قرب زمانہ نبوت میں اسی اصول پر عمل درآمد رہا۔"

چنانچہ اسی اصول کے مطابق وہ فقہی مسائل کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ صرف عالموں اور نیک آدمیوں کی ذاتی آراء ہیں جن کو ماننا یا نہ ماننا ہم پر بالکل مکلف نہیں۔ فقہ پر بحث کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ:

"اگلے زمانے کے نیک اور متدین مگر مذہب کی طرف زیادہ متوجہ عالموں نے یہ خیال کیا کہ جہاں تک ہو سکے ہر ایک کام کسی مذہبی سند پر کیا جائے پس جو واقعہ یا امر پیش آیا اس کے لئے فکر کرتے اس کو کسی مذہبی سند سے متعلق کریں اور پھر خواہ مخواہ کھینچ تان کر اور تاویلات و استدلالات دور از کار سے کسی نہ کسی سند کے متعلق کر دیتے تھے۔"

اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے سرسید نے تفسیر القرآن لکھی جو باوجود اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کے دور جدید کے مسلمانوں کی ذہنی اور مذہبی تاریخ میں ایک بلند اور عظیم مقام کی مستحق ہے۔

تہذیب و تمدن اسلامی

مصنفہ رشید اختر ندوی
قیمت حصہ اول پانچ روپے

قرآن اور علم جدید

مصنفہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے پی ایچ ڈی
قیمت پانچ روپے آٹھ آنے

اسلام کا معاشی نظریہ

مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی
قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

الدین یسر

مصنفہ مولانا جعفر شاہ صاحب
قیمت پانچ روپے

ملنے کا پتہ: ادارہ ثقافت اسلامیہ - ۲ کلب روڈ - لاہور

جناب سید ہاشمی فرید آبادی

سیف الدولہ محمود ابن ابراہیم

جمال الدولہ فرخ زاد کے بعد اس کا بھائی ظہیر الدولہ ابو المظفر رضی الدین ابراہیم ابن مسعود تخت نشین ہوا۔ اسے تاریخ کے فیض سے "سید السلاطین" کا مزید خطاب دے گئے ہیں۔ نہایت دیندار بادشاہ تھا کہ عالم جوانی میں صلاح و تقویٰ کو شعار بنایا اور مسند سلطنت پر متمکن ہونے کے بعد بھی عبادت کا شغل فراموش نہ کیا۔ اسی نیکی کا دنیاوی صلہ یہ ملا کہ اپنے بزرگ خانوادے میں سب سے زیادہ عرصے بادشاہی کی (۴۵۱ تا ۴۹۲ = ۱۰۵۹ - ۱۰۹۹ء) ملک خوشحال و مطمئن رہا سلجوقیوں سے مخالفت کے بجائے مصاہرت کے رشتے قائم ہوئے۔ ہندوستان خاص پر دور دور تک مجاہدانہ حملوں نے سنت محمودی کو تازہ کر دیا۔ مورخوں نے کثرت اولاد کو بھی فضل خدا کی نشانی بتایا ہے کہ ستر سے زیادہ بیٹا بیٹی نے محلات کی زینت و رونق بڑھائی۔ ان میں بڑے اور سب سے نامور فرزند سیف الدولہ محمود اور علاء الدولہ مسعود گزرے ہیں۔ مؤخر الذکر ہندوستان میں (یعنی لاہور میں) نائب السلطنت بھی رہے اور آگے چل کر مسعود (ثانی) ہی باپ کی سلطنت کا وارث ہوا۔ مگر کمال حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ وہ شہزادہ جس نے شہر لاہور کو سب سے پہلے سب سے زیادہ معمور و مزین کیا، تاریخ کے اوراق میں کہیں اس کی تصویر نہیں دکھائی گئی۔ کسی ایسی کتاب یا شعرا کے تذکروں میں جہاں شعرائے عصر کے قصائد مذکور ہیں ضمناً اس کا نام قلم کی زبان پر آجاتا ہے لیکن ممدوح کے احوال سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔[1] حالانکہ انہی قصائد سے جنہیں پڑھ پڑھ کر یہ ارباب ذوق محو ہوتے گئے ہیں۔ کارآمد معلومات اخذ کر لینا

---

[1] مثلاً منتخب التواریخ (۱۔ ۳۲، ۳۶) میں مسعود سعد سلمان کا ایک نادر قصیدہ ملخصاً محفوظ کیا گیا ہے مگر اس کے ممدوح کا صرف نام اور امیر لاہور ہونا لکھ دینے پر اکتفا کی ہے۔ علی ہذا مسعود سعد کے حال میں علامہ آزاد بلگرامی یہ سرسری اطلاع بہم پہنچاتے ہیں کہ شاعر امیر سیف الدولہ محمود بن ابراہیم کا ندیم تھا اور یہ شہزادہ ملک شاہ سلجوقی سے ساز باز کرنے پر معتوب و معزول کیا گیا (سبحۃ المرجان۔ طبع بمبئی ص ۲۷)۔

[2] مثلاً وہ حکایت پنجاب اور لاہور کی تاریخ لکھنے والوں سے ہونی چاہیے کہ خبر کے باشندگان گزشتہ اور فرمانرواؤں کی فہرست میں اس جگہ نام سیف الدولہ محمود کو محو کر گئے، حتیٰ کہ تازہ ترین تالیف "لاہور پاسٹ اینڈ پریزنٹ" میں بھی اسے درج نہیں کیا گیا۔ (دیکھیے ضمیمہ ۲ فہرست فرمانروایان لاہور)

ممکن تھا۔ زمانہ حاضرہ میں مسعود سعد سلمان لاہوری کے دیوان سے یہ کام لیا گیا ہے۔ بعض ایرانی ادب شناسوں نے مبالغہ کی جھاڑیوں سے یہ پھول چن کر ایسے گلدستے تیار کئے کہ تاریخ کے ایوان میں بخوبی سجائے جا سکتے ہیں[1]۔ اسی زمانہ کا ایک اور لاہوری شاعر استاد ابوالفرج مسعود رونی گزرا ہے جس کا دیوان قصائد کبھی روسی قدر داں نے ایران کے رسالہ ارمغان میں اہل ادب کو تحفہ دیا تھا[2]۔ بیشتر انہی دو ماخذوں سے مطالب ذیل کھود کر نکالے گئے ہیں۔

ورود محمود ابن ابراہیم ابن مسعود۔ شہزادے کا پورا نام ابوالقاسم محمود، دربار غزنی کا خطاب سیف الدولہ تھا۔ بظاہر وتنا ریاست امارت ہند ملنے کے بعد "یمین امیرالمومنین" کا طرۃ خلیفہ بغداد نے لگایا[3]۔ لاہور میں اس کا سال ورود بھی مسعود سعد سلمان کے ایک تاریخی قصیدے سے مستخرج کیا گیا ہے۔ متعلقہ اشعار یہ ہیں

چو روئے چرخ شد از صبح چون صحیفہ سیم   ز قصر شاہ مرا مژدہ داد باد نسیم
کہ عز ملت محمود سیف دولت[4]   ابوالمظفر سلطان عادل ابراہیم
فزود حشمت و رتبت بدولت عالی   چو کرد مملکت ہند را بدو تسلیم
بنام فرخ او خطبہ کرد در ہمہ ہند   نہاد بر سر اقبالش از شرف دیہیم

اس موقع پر ایک اسپ خاصہ دیا گیا تھا، اس کی توصیف کے بعد لکھتا ہے:-

منجمان ہمہ گفتند کیں دلیل کند   بحکم زیج تبانی کہ ہست در تقویم
دو دیگر دو دہ خطیبان کنند بر منبر   بنام سیف دول خطبہ ہائے ہفت اقلیم
بسال پنجاہ از این پیش گفت بوریحان   در آں کتاب کہ کردست نام او تفہیم
کہ پادشاہی صاحب قران شود بجہان   چو سال ہجرت بگذشت تا و سین و جیم ....

(۵؎ محمد بن جابر البتانی (متوفی ۳۱۷ھ) مشہور عرب منجم گذرا ہے جس کی زیج ان دنوں متداول تھی)

آخری مصرعے میں بعض نسخے تین کے بجائے سو و جیم بتاتے ہیں اور ان سے شہزادہ محمود کی امارت کا سال ۴۶۶ھ / ۱۰۷۳

۱؎ ایران میں ابوالقاسم خوانساری نے دیوان ۱۲۹۶ھ میں پتھر پر چھاپا۔ سہیلی خوانساری نے ۱۳۱۷ش فصل میں "حصار نائی" کے نام سے اس کی شاعری پر رسالہ شائع کیا۔ اس رسالے کو رشید یاسمی کے ناقدانہ مقدمہ دیوان کا پیش رو سمجھنا چاہیئے۔ مجھے "حصار نائی" سے مکرمی وزیر الحسن صاحب عابدی استاد ادبیات فارسی اورینٹل کالج لاہور نے بہرہ مند فرمایا۔ اسی کے دوسرے سال دیوان مسعود سعد سلمان بہ تصحیح و مقدمہ حضرت رشید یاسمی (مطبع طہران ۱۳۱۸ شمسی) نفیس ٹائپ میں چھپ کر جلوہ افروز ہوا۔

۲؎ دیوان ابوالفرج رونی طبع مسعود چایکین ضمیمہ مجلہ ارمغان ۱۳۰۴ش۔ بتصحیح و حواشی محمد علی ناصح

۳؎ بغداد میں یہ قائم بامر اللہ (۴۲۲ھ – ۴۶۷ھ) یا اس کے جانشین المقتدی بامر اللہ (۴۶۷ھ – ۴۸۷ھ = ۱۰۹۴ء) کی خلافت کا زمانہ تھا

۴؎ ابوالقاسم کنیت ایک اور قصیدے کے شعر سے مستفاد ہوتی ہے: "امیر غازی محمود سیف الدولہ و دین بنام و بکنیت جامع [illegible]

۱۰۷۲ء نکلتا ہے۔ ایک نوروز کے تہنیت کے قصیدے سے اسی تاریخ کی تائید ہو سکتی ہے۔ (اقتباس آگے آئے گا)۔ لیکن مقدمہ نگار دیوانِ مسعود، فاضل یاسمی "سر جیم" پر وثوق رکھتے ہیں۔ دیوان رونی کا مصحح پہلے ہی تین ج پڑھ چکا ہے (ص۱۷)۔ اس بنا پر شہزادے کا امیرِ ہندوستان مقرر کیا جانا ۴۶۹ھ / بمطابق ۱۰۷۵ء کا واقعہ قرار پاتا ہے۔ بحث کو آگے بڑھانے سے پہلے یہ بھی ملاحظہ کر لیجئے کہ اس عینی شاہد کی روایت کے مطابق امیرِ لاہور کا رتبہ کتنا بلند تھا کہ ہندوستان کے (مقبوضہ) علاقوں میں اسی کا نام خطبوں میں پڑھا جاتا تھا۔ سر پر تاج رکھنے کی اجازت ہوتی تھی۔ اسے قریب قریب شاہی القاب سے مخاطب کرتے تھے، جس کے مزید شواہد جا بجا ان قصائد میں آتے ہیں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ایسے اعزاز و القاب کی تخصیص شاہی خاندان کے افراد سے ہو۔ دوسرے امیروں کو ولایت تفویض ہونے کے باوجود ایسے شاہانہ مراتب نہ دیئے جاتے ہوں۔

شاعر نے صراحت سے لکھا ہے کہ (ابو ریحان محمد) البیرونی (متوفی ۴۳۹ھ / ۱۰۴۸ء) اپنی کتاب "تفہیم" میں پچاس برس پہلے پیش گوئی کر گیا ہے کہ ت، ص اور تین ج کے سال میں ایک صاحب قران (یعنی صاحب طالع سعید) بادشاہ ظہور کرے گا کہ دنیا بھر میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جائے گا۔ کتاب مذکور واقعی ۴۲۰ھ، یعنی شہزادہ محمود کے امیر مقرر ہونے سے تقریباً پچاس برس پہلے تالیف ہوئی۔ بیرونی کا نجومی احکام لگانا اور اس زمانے میں اکثر مسلمان ملوک و امرا کا ان احکام سے شوق و شغف رکھنا ہم عصر کتابوں سے بخوبی معلوم ہوتا ہے۔ بنظر براین شاعر سے یہ بدظنی کہ اس نے محض قافیہ پیمائی کی خاطر بیرونی کی کتاب کا نام نظم کر دیا، کسی طرح جائز نہ ہوگا۔[1] البتہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ پیش گوئی غلط نکلی یا شاعر نے اسے اپنی طرف سے اپنے ممدوح کے سر چپکا دیا۔ بہرحال شہزادہ محمود کے "صاحب قران" ہونے کی روایت ضرور مشہور عام ہو گئی تھی جس کی شہادت میں استاد ابوالفرج رونی (لاہوری) کا قصیدہ کہ اسی تقریب سعید پر نظم ہوا لائق استناد ہے اس شاخ گل کی صرف چند کلیاں ہم نے چنی ہیں:-

قصیدہ نمبر ۴ - عنوان:- در مدح سیف الدولہ محمود بن ابراہیم
بہ مناسبت تعیین "حکومت پاکستان"

شاہا نظام مملکت و قوم جہانیا　　　با دولت مساعد و بخت جوانیا

---

[1] مقدمہ دیوان مسعود میں مرزا محمد قزوینی کا قول نقل کیا ہے کہ کتاب "تفہیم لاوائل صناعت التنجیم" علم نجوم کے مبادی پر لکھی گئی ہے اس کے موجودہ نسخوں میں یہ پیش گوئی نہیں ملتی۔ لہٰذا شاعر محض قافیے کے لئے کتاب "تفہیم" کے نام لے آیا ہے۔ مگر مسعود سعد البیرونی کے قریبی زمانے کا فاضل شخص تھا۔ اس کی طباعی اور قدرتِ کلام بھی ثابت ہے۔ یہ کتاب مذکور ایران میں چھپ گئی ہے اور اس کے مطبوعہ نسخے میں یہ پیش گوئی درج نہیں لیکن بالکل ممکن ہے کہ کسی قدیم نسخے میں موجود ہو جو اب مفقود ہو گیا۔ غرض ایک قریب العصر شاعر اور اس کے معروف کلام پر یہ بدگمانی کرنا کہ محض قافیہ بندی کے لئے ایسی من گھڑت بات لکھ گیا ہے۔ ہم جائز نہیں سمجھتے۔

چشم است بختیاری و در چشم نور سا | جسم است کامگاری و در جسم جانیا
گردون ترا نگاه ز گیتی خسروی دهد | اینک بتقد عالی هندوستانیا.
همت بلند باید کردن که تو هنوز | بر پایهٔ نخستین از نرد باتیا
ایدون شنیده ایم که صاحبقران تو شو | هنگام ترکی و ترکی همانیا

یعنی ہم نے سنا ہے کہ اس تیرے ہی زمانے میں کوئی صاحبقران پیدا ہوگا۔ کہنا چاہیے کہ وہ تو ہی ہے، (اپنا دعیا کہ شاعر نے اوپر لکھا ہے) فی الحال جو حکومت ہند تجھے ملی، وہ ترقی کا پہلا زینہ ہے تجھے نگاہ ہمت بلند رکھنی چاہیے کہ قضا و قدر تجھے بڑی بادشاہی دینے کی خواہاں ہیں[1]۔

مسعود سعد کے قصائد میں صاحبقرانی کی روایت کئی جگہ آتی ہے قلعہ آگرہ کی فتح (اگلی فصل) میں بھی ہم اس کا حوالہ دیکھیں گے۔ یہ تکرار و تواتر دلالت کرتے ہیں کہ وہ البیرونی (یا اور کسی) کی معروف پیش گوئی پر لبی اور شہزادہ محمود کی آمد کے وقت عام اشاعت پا چکی تھی چنانچہ اس بہاریہ قصیدے میں جسے فاضل محشی لاہور کے تقرر سے پہلے قرار دیتے اور شاعر کے شہزادے سے قدیم توسل کی دلیل بتاتے ہیں، اسی پیش گوئی سے کام لیا گیا ہے۔

قصیدہ "در وصف بہار و ستائش سیف الدولہ محمود" (دیوان ص ۳۳)

مگر مشاطہ بستان شدند باد و سحاب | که این ببستش پیرایہ و آن کشادہ نقاب
خدایگان جہان سیف دولت و دین | بہ شادمانی و رامش میان باغ و شراب
خجستہ یافتہ نوروز و این چنین نوروز! | ہزار جفت شدہ با ہمہ رجب و رباب

پھر تحسین و توصیف کے سلسلے میں لکھتا ہے۔

"شہی کہ ایزد صاحبقرانش خواہد کرد | چنین کہ ساخت، ز اول بسازدش اسباب..."

یعنی جسے خدا صاحبقران بنانا چاہتا ہے۔ اس کے ابھی سے اسباب فراہم ہو رہے ہیں۔ مقدمہ دیوان میں جتایا گیا ہے، یہ قصیدہ نوروز کے ماہ رجب میں واقع ہونے کی خبر دیتا ہے۔ نوروز (شمسی) فصلی ماہ و فروردی کی کسی تاریخ میں آیا کرتا ہے، یہ ایام ۴۶۵ھ تا ۴۶۸ھ کے تین سال میں ہلالی رجب کے ساتھ آئے تھے۔ اسی سے فاضل مقدمہ نگار قصیدے کو امارت لاہور سے دو تین سال پہلے کی نظم تصور کرتے ہیں۔ مگر ہمارے خیال میں ممکن ہے کہ شہزادے کو ۴۶۹ھ کے بجائے انہی سنین میں ولایت ہند تفویض ہوئی ہو اور شاعر اسی کو آیندہ صاحب قرانی کی فال قرار دے رہا ہے۔

لاہور میں شہزادے کی آمد آمد کی خبر استاد رونی کی زبان سے سنیئے:-

---

[1] رونی کی اس زمین میں مسعود سعد نے بھی آیندہ گل بوٹے کھلائے اور سیف الدین محمود کے بھائی مسعود کی مدح لکھی ہے۔ وہ ہم اگلے اوراق میں ہم مطالعہ کریں گے۔

نظام ملک و ولایت جمال تاج و کلاہ — سر محامد محمود شاہزادہ و شاہ
بہ لاہور رسید و میان مرکب خویش — بہ زینت کوکبہ ماہ شب چاردہ ماہ
بدین صفت کہ رسیدی رسید بود خبر — خبرمیان شد و بفزود بر یکی پنجاہ ....."

یعنی تیرے شان و شوکت سے آنے کی خبر پہلے آ گئی تھی۔ لیکن جب واقعی تو آیا تو شان و شوکت پچاس گنی زیادہ پائی گئی

فتوحات محمود ابن ابراہیم

اس قصیدے کو بھی جس میں شاعر ممدوح کو بادشاہ اور فرمان روا کے ناموں سے خطاب کرتا ہے جناب یاسمی نے امارت لاہور سے قبل زمانہ شہزادگی کی مدح گمان کیا ہے۔ (مقدمہ دیوان حاشیہ ۲) قصیدے (ص۵) کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

نبے موفق و منصور شاہ بے ہمتا — زہے مظفر و مشہور خسرو والا ..... پھر شعر ملا :

"تو سیف دولتی و دولت از تو یافتہ عز — تو عز ملتی و ملت از تو بردہ بہا
ز آں امیرے کز روزگار آدم باز — ہمی بجز است زمانہ ترا بجہد دعا ...

سلطان کی طرف سے شہزادے کی سحت مندی اور تازہ فتوحات پر خلعت و تہنیت کا بھیجا جانا :۔

"ابوالمظفر شاہ زمانہ ابراہیم — کہ پادشاہ زمین است و خسرو دنیا
بہ تازگیت فرستاد خلعت عالی — کہ عاجز است از و وہم و فکرت شعرا
قبائے خاصہ لطیفتی خود تسبیح بزر — بہ مشکل کردہ کمر و کلہ ہما"

خلعت میں اسپ و اسلحہ اور جواہر کے ساتھ شاہی پیام

"پیام داد کہ اے چشم تو بما روشن — بہ مہر دل ز ہمہ برگزیدہ ایم ترا
بہ جنگ رفتی و رسم غزا بجا آورد — کشید نفس عزیزت حرقت تو گرما"

بڑے بڑے معرکے۔ پھر علیل ہو کر شفا پائی۔ اس پر بادشاہ اظہار محبت و تحسین سے شہزادے کا دل بڑھاتا ہے

تو ذکر مجلس انسی بنہ در مجلس انس — بزور جنگ پیکار قسمت بازوے
جلدہ ایم امارت تو او و ز تو رست — سپردہ ایم تو ہندو مرتراست سزا"

پھر کہتا ہے کہ ہم نے یہ حکومت اس لئے تیرے تفویض کی ہے کہ عدل کی شمشیر ہاتھ میں لے کر سارے ہندوستان کا گشت لگائے اور جو سیاہ دل کلمہ توحید کی شہادت نہ دے اس کا استیصال کر دے۔

یہ مدح ممدوح کے ہندوستان آنے اور کارنامے دکھانے کے بعد ہی کی جا سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ شاعروں کی مبالغہ آرائی میں ہم کسی تاریخی ترتیب و تحقیق سے شہزادے کی مہمات کا مطالعہ کرنے کی توقع نہیں کر سکتے۔ تاہم مزید تجسس سمجھ کر ذہن میں آیا اجمالاً پیش کرتے ہیں۔ مسعود سعد کا ایک قصیدہ (دیوان ص ۲) سیف الدولہ محمود کے غزنی سے

ہندوستان روانگی کی اطلاع دیتا ہے۔ لشکر کی غرض جنگ و جہاد بتائی گئی ہے

"بہ سوئے ہند خرامید بہر جستن کین — رکاب خسرو محمود سیف دولت و دین
درو بباشد شاہا کہ ملک ہفت اقلیم — چنانکہ ہند شود مرترا بزیر نگین
ہزار شہر کشائی بشہرہائے بزرگ — ہزار نامۂ فتحت رود سوئے غزنین ..."[1]

ہندوستان پر لشکر لے کر چلنے کا ذکر ایک اور قصیدہ بائیہ میں، حروف تہجی کے ترتیب کی بنا پر دیوان کے صفحہ ۲۵ پر آتا ہے۔ اس کی اٹھان دیکھیے کہ کس طرح ہوا اندھیرے بادلوں کا رنگ پکڑتی اور بڑھتی دنیا کو جوان بنا دیتی ہے:

"ہوائے روشن بگرفت تیرہ رنگ سحاب — جہان گشتہ خرف باز گشتہ از سرشباب"

آگے چل کر لکھتا ہے کہ میرا ممدوح ایسے ایسے گھنے جنگلوں کو طے کر رہا ہے جن میں آفتاب کی روشنی بار نہیں پاتی اور ان صحراؤں کے پار اترتا ہے کہ تیر سے بتا دیا ان کی تھاہ نہیں پا سکتا۔

"بہ بیشہ ہائے درو آمدی سپاہ را کہ نبش نہ — بماند آفتاب و نے مہتاب
زرود ہائے لشکر ہمی گذارہ گشتی! — کہ دید ہرگز درو ے نیافتہ پایاب ...."

بنا بریں یہ بہار کا موسم تھا جبکہ دوسرے ملک کے امرا اپنے باغوں میں بڑے عیش و نشاط کے مزے لے رہے ہیں۔

"کنون ملوک بہ بستان و باغ مشغولند — ہمی ستانند الصاف شادی از احباب"

مگر — "تماشا طلبدان تا کدام شہر زنی — کدام بت کدہ سازی ز بوم ہند خراب
نشادہ مرکب غران بجائے بربط چنگ — گرفتہ خنجر بران بجائے جام شراب ..."

شہزادے کی ان سعدی، جفاکشی، سپہ گری کی صفات جگہ جگہ ان قصیدوں میں کثرت سے بیان کی گئی ہیں کہ اگر ان کا دسواں حصہ ہی صحیح مانا جائے تو بھی ایک غیر معمولی بہادر، حوصلہ مند، من چلے جوان کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ اس کی فتوحات اور المناک انجام کے بارے میں جو قدر قلیل معلومات میسر آتی ہیں وہ بھی اس تصور کو جمانے میں مدد دیتی ہے۔

اسی قصیدے میں خلیفہ بغداد کا خطاب "ضجیع امیر المومنین" عطا کرنا مذکور ہے۔

"تو سیف دولتی و عز ملتی کہ ترا — ضجیع خویش بنام خلیفہ کرد خطاب"

جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خطاب امارت ہند پر پہنچ جانے کے وقت ہی اس کو مل گیا تھا۔ یہی اطلاع خود اضافت

---

[1] اسی قصیدے میں شہید بلخی کے ایک اور شعر کو ہمارے شاعر نے مصرعے بدل کر تضمین کیا ہے۔

خدائے گانا این داستان معروف است — کہ کرد بندہ بشعر خود اندرون تضمین
ہزار بندہ نماید طلب چنانکہ تو شدی — ہزار یک ندارد دلا یکے شاہین

دوسرے قصیدے (صفحہ ۲۴۲) میں ملتی ہے اور خطاب کو آئندہ ترقی درجات کی فال نیک قرار دینے سے بھی قیاس کی تائید نکلتی ہے۔ یہ وہ موقع ہے جبکہ شہزادہ لاہور سے غزنی روانہ ہوا ہے:-

"بنام ایزد بر جمال بقصد حضرت سلطان — ز ہندستان برون آمد امیر شاہ ہندستان
ملک محمود ابراہیم امیر عالم عادل — کہ سیف دولت و دین است و فخر ملت و ایمان
سر شاہنشہ غازی پناہ ملک ابوالقاسم — کہ خورشید جلال است و سپہر حضرت سلطان . .
صنیع خویشتن خواند امیر المومنین او را — شدہ امکان اما نزولہ کہ باو خر بر فضل امکان"

بادشاہ کی طرف سے اعزاز و اکرام کے سلسلے میں یہ جتایا گیا ہے کہ اس نے کسی دوسرے فرزند کو ایسا نہیں نوازا جتنا تجھ پر مہربان ہے۔

"خداوند جہاں سلطان بجائے ہیچ فرزندے — کجا کردست این اکرام، این اعزاز، این احسان
فرستادت بسے تحفہ بہر جنسے و ہر نوعے — ز خاص خویش خلعت ہا کہ فخر ملک از وتابان"

شہزادے کی جنگی مہمات کی مبالغہ آمیز قصیدہ خوانیوں میں سال و مقام کی صراحت نہیں۔ حالانکہ بعض معرکوں میں خود مسعود سعد سلمان شریک سفر و رفیق سفر تھا۔ اب سیف الدولہ کی صرف ایک جنگ و قلعہ کشائی کی مختصر سی کیفیت سنیئے جسے شاعر نے بچشم خود دیکھا اور "تہنیت فتح آگرہ" کے عنوان سے خاصی تفصیل کے ساتھ ہمیں سنایا گیا ہے۔ (دیوان ص ۲۹۲)

"ای نسیم سحر فتح نامہ ہا بردار — بہر ولایت از فتح نامۂ لبیا"

مہم اور دارالملک لاہور سے روانہ ہوتی اس کے لئے چالیس ہزار جنگ آزما چھانٹ کر ہمراہ لئے گئے تھے تاکہ سفر میں دیر و دشواری نہ ہو:-

"بدانکہ تا نہ برد لشکر گران و بزرگ — نخیارہ کرد ز لشکر چہل ہزار سوار
چو چرخ کینہ کش و چو زمانہ با قوت — چو ابر طوفان نعل و چو ابر صاعقہ بار"

پہاڑوں جنگلوں سے گذرتا، میدانوں میں گرد و غبار کے بادل اٹھاتا اور جنگی جھنڈے لہراتا ہوا یہ جرار لشکر غالباً جھنڈا رہتک پھر میوات کے شمال سے گذر کر قلعہ آگرہ کے سامنے نمودار ہوا۔

"حصار آگرہ پیدا شد از میانہ گرد — بسان کوہ بر او بارہا چو چہل کہسار"

اس عظیم قلعے کے برج و بارہ ایک طرف گنڈر ہی اب یونیورسٹی میں بدل گئے ہیں کہ مغلیہ عہد کی فارسی تاریخوں میں ذکر نہیں ہوتا۔ مگر انگریزوں کی تحقیق کی رو سے وہ جمنا کے بائیں رخ پر تھا۔ موجودہ آگرہ اور اس کی عمارات عالیہ دائیں جانب ہیں اور تمام و کمال مسلمان بادشاہوں کے وقت میں تعمیر ہوئیں۔ ایک اور لائق لحاظ بات یہ ہے کہ قصیدے میں دہلی یا متھرا کا کچھ مذکور نہیں۔ اول الذکر شہر کو اس وقت تک بظاہر کوئی اہمیت حاصل نہ تھی اور ممکن ہے

ہے جلال محمود غزنوی کی تاخت و تاراج کے بعد دیوان سا تیر تقریر کیا ہو۔ آگرے کا راجہ "جے پال" بتایا گیا ہے۔
شاید اصل نام کیا تھا۔ "جے پال" ہوتا تو اسے فارسی طرح سے املا کرنے کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی — شاعر
کی روایت کہ اس خوف انگیز لشکر کی چڑھائی دیکھ کر راجہ کو شاید خواب نظر آئے بعید از عقل نہیں ہے۔ وہ دوسری
صبح شہزادے کی خدمت میں خود آیا اور ہندوستانی زبان میں بھر کے پر اطاعت گی ظاہر کی۔ محمود غزنوی کے پوتے نے قبول نہ کیا
کہا: ہمارے پاس روپے پیسے اور قلعوں کی کمی نہ تھی۔ میرا مقصود خدا کی خوشنودی حاصل کرنا ہے اور یہ حاصل کرنا ہے
"ایک عظیم و دشوار قلعہ" فتح کرنا چاہتا ہوں۔ راجہ ناامید واپس گیا۔ مدافعت کی جو ممکن تھیں تیاریاں کیں۔ نوجوان
امیر لشکر کی بے قراری اس کے جنگی جوش کی تصدیق کرتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے محاصرہ باندھنے کا خیال تک نہ کیا۔ فوج
کو آرام کرنے کی مہلت نہ دی گئی۔ دوسرے تیسرے دن عام حملے کا حکم دے دیا۔ جانباز سپاہی تیر و خدنگ کی بوچھاڑ
کو ڈھالوں سے روکتے ہوئے فصیلوں تک پہنچ گئے۔ قلعہ داروں نے ہزار جتن کئے۔ یہ سرفروش فصیل میں میخیں گاڑ کر
کمندیں ڈال ڈال کر مرتے کھپتے چڑھتے چلے گئے۔ شاعر نے بل کھاتے سانپ سے انہیں تشبیہ دے کر تصویر کھینچ دی ہے

"پیادہ دیدم با خود و جوشن و خنجر — چو غوزیہ بہ کردار مار بر دیوار"

زخم پر زخم کھاتے ہیں اور چڑھتے چلے جاتے ہیں۔

"ہزار زخم فگندہ و بیش نگشت ملال — ہزار زخم بخورد و تنش نگشت نگار"

"ماما مار" کا ہندی محاورہ امیر خسرو کی مثنویوں سے نقل کرتے رہے ہیں۔ مسعود ڈیڑھ سو برس پہلے اسے رکھ گیا تھا۔

"چو زہرہ شیر لبزید کوس محمودی — بر آمد از پس دیوار حصن "ماما ما""

شاعر جنگ کے گرد و غبار میں شہزادے کو ننگی تلوار ہاتھ میں لئے شیر کی طرح لڑتے دیکھتا ہے۔

"خدایگان را دیدم بگرد رزم اندر — چو شیر شیر بدست اژدہائے مردم خوار"

آخر میں فتح کی مدح اور اسے فاتح کی نسبت روایت صاحبقرانی کے درست ہونے کی دلیل بتاتا ہے۔

"حسام تیز تو شد ذوالفقار و ہند — عرب حصار آگرہ خیبر تو حیدر کرار ...
تو بود خدائی صاحبقران ہفت اقلیم — دلیل می کند این فتح تو بدین گفتار"

عام تاثرات

قصائد میں ممدوح کی شجاعت و جنگ آزمائی کی جگہ جگہ ستائش کی گئی ہے لیکن فوجی مہمات صرف چند ذکر ہیں
ایسے چند قصیدے دیوان کے صفحات ۲۴۳، ۲۸۰، ۲۹۵ پر ملتے ہیں۔ مثلاً جالندھر کی کامیاب لشکر گیری۔ تاریخی
تحقیق ابھی ان پر غور کر سکتے ہیں۔ ایک مہم میں شاعر خود ہمراہ ہونے کی صراحت اور بعض جگہ دعائیہ اشعار ...

کرتا ہے۔

"بندہ گرد رسفر خدمت نیست   نیست پرداخت از دعا گفتنم (۲۲۴)

شہزادہ امارت لاہور کے زمانے میں غزنی گیا اور تازہ جنگی تیاریوں کے ساتھ واپس آیا ہے (قصیدہ ص۱۲۱) اس خبر کی وضاحت رونی کے قصیدے سے ہوتی ہے۔ (دیوان ص۲۰)

"باز آمد آن کہ ملک از او کامگار شد   باز آمد آنکہ بخت بدو بختیار شد"...

کہتا ہے اس کے جانے سے اہلوں کا حکومت پر قبضہ ہوگیا جس نے مسلمانوں کو مضطرب کر دیا تھا اب (آٹھ ماہ بعد) انہیں اقتدار کی مسند چھوڑنی پڑی۔

"تا اہل ہمی نمودہ سواری پیادہ ماند   آسے پیادہ ماندہ چون حق سوار شد
نالبس کہ ایں دیار براسلام ہشت ماہ   دار الفرار بود سے دار القرار شد ...
شاہ کو لفظ سیف بگا و خطاب او   صمصام آب دار شد و ذوالفقار شد"

ان ہندی سرگرمیوں کے مقابلے میں بزم و شاغل بر مسعود سعد سلمان کے قصیدے تسار میں زیادہ جشن بہاں میں کہیں بڑھ چڑھ کر جاتے ہیں۔ ان کی مختصر کیفیت یہ ہے :-

ص۱ - نوروز کے جشن پر، جب کہ سردی رخصت ہوئی، بہار کا موسم آگیا ہے۔ سیف الدولہ کی آراستہ محفل میں غزل سرائی ہو رہی ہے۔ ص۱۲ موسم اردیبہشت کے جلسے ہو رہے ہیں۔ ص۲۲ وصف خریف۔ سلطان کے شاہد خلعت گراں بہا لائے ہیں شہزادے کی مدح میں نغز قصیدے سنا رہے ہیں۔ ص۲۹ جشن نوروز اور موسم بہار کی تعریف میں۔ ص۱۶۵-۱۶۸-۱۸۸ عید کی تہنیت۔ جشن مہرگان (لاہور میں) مدح رزم و بزم۔ جود و سخا، علم و سخاوت۔ ص۲۱۲ عید کی مبارکباد۔ شہزادے کی سعادت داری سنہ و لقوئی کی مدح۔ ص۱۳۸ ایضاً۔ آمد بلکا عید و رفت روزہ۔ بنشیں براد و خواہ ساغر۔ ص۲۰۴ جشن نوروز۔ فتح آگرہ کی تہنیت۔ ص۲۹۱، ۲۹۲ موسم بہار اور شہزادے کی مدح میں دو قصیدے۔ ص۲۳۵، ۲۴۸، ۲۵۰ جشن نوروز اور عید کی مبارکباد۔ شاعر اس وقت غالباً محبوس اور حاضری سے معذور ہے۔ ص۵۵۵ عید کی تہنیت۔ یہ قصائد کے خاتمے پر ایک دلکش مسدس ہے جس میں پانچ پانچ مصرعے ہم قافیہ، اور چھٹا الگ ایک قافیے میں نظم ہوتا چلا جاتا ہے۔ پہلا اور آخری بند نمونے کے طور پر ملاحظہ کیجئے۔

"شکر ماہ صیام روشے برفتن بنہاد   عید فرخ کو رفت کوس ولایت خود بگشاد
تاختن آورد عید و دم لشکر فتاد   لے خنک آن کو بصوم داد نخواند بباد
آمد عید شریف فرخ و فرخندہ باد
فہم کلوا، واشربوا یا ایہا الصائمون . . . . .

شاہا بجاہ انجم چون چرخ برافراشتہ باد   دولت بکام تو ہم چون تو ناخفتہ باد

سرسبز تو از خرمن و سفتہ کیسہ نعمہا   بر ہم نہادہ گوہر از گوہر ہر سفتہ باد

گلہای دولت ملک پیش تو بشگفتہ باد

"فی نعیم لا ینال، فی منزل لا یزول"

شہزادے کے دوسرے خانگی اشغال و افعال کے بارے میں ہم نہیں کہہ سکتے لیکن ابراہیم کے دوروں کا ذکر جو پابند ہوگا کہ مسعود جا بجا اس کی گواہی دے گیا ہے۔ اسی طرح اگرچہ اندرونی نظم و نسق اور طریق حکمرانی کی تفصیل جاننے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں لیکن جلسۂ دربار، جشن، انعام اکرام، بار امیر، وزیر، دیوانی عمال، کثرت افواج وغیرہ کے متعلق ان دو ہم عصر شاعروں کے مختلف جو اشارے دیتے ہیں، ان سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ سیف الدولہ محمود کے دور میں "ولایت ہندوستان" ایک دولت مند و با اقتدار مملکت بن گئی تھی اور لاہور نے وسعت و آبادی، شہرت و خوشحالی کے اعتبار سے پہلی مرتبہ دنیائے تمدن کے ایک بڑے شہر ہونے کا رتبہ حاصل کر لیا تھا۔[1] جس چھاؤنی سے چالیس ہزار چیدہ سوار کا باقاعدہ لشکر آراستہ ہو کر چلا، اس کے باشندوں کی مجموعی تعداد لاکھوں ہی میں قیاس کی جا سکتی ہے۔ بے شبہ فوج میں کثرت سے بیرونی سپاہی بھرتی ہوتے تھے۔ اکثر اوقات ہو کر اپنے وطن غزنی، ہند، خراسان وغیرہ علاقوں کو پلٹ جاتے تھے۔ تاہم بعض گروہ اور منفرداً بہت سے من چلے یہیں متوطن ہونا پسند کرتے تھے۔ انہیں تنخواہوں کی جگہ جاگیریں، دیہات انعام دے کر بسایا جاتا تھا۔ لاہور کے نواح میں ایسی متعدد جاگیروں اور نئی بستیوں کا قریب العصر کتابوں میں تذکرہ بلا ترتیب بکھرا ہوا ہے۔ شہر میں جو شاندار عمارتیں غزنوی امیر و عمائد بنا رہے تھے ان کی ذرا سی جھلک استاد مسعود کے قصائد میں نظر آ جاتی ہے جن میں وہ مسعود سعد سلمان نور روز بہ پایا دیوان (لاہور) ابوالرشد رشید یا خود علاء الدولہ مسعود کے محلات جدید کی تحسین کرتا اور بنانے والوں کو مبارکباد دیتا ہے۔ ان میں مسعود سلمان کا جو طبقۂ امرا میں شامل نہ تھا، قصر عالی بنا کر خصوصیت سے عام خوشحالی اور ذوق تعمیر و تزئین کا ثبوت سمجھا جائے گا۔

ایک جگہ مسعود سعد اپنے نوجوان ممدوح کو قیام امن و انتظام کے لئے سختی کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ مخولہ قصیدے کا مطلع تھا

خویشتن را سوار باید کرد - بہ سختی کامگار باید کرد

اس کا ایک شعر بعض فارسی تاریخوں میں بطور ضرب المثل نقل کیا گیا ہے کہ

"ملک را چون قرار خواہی داد   تیغ را بے قرار باید کرد"[2]

---

[1] چہار مقالہ۔ طبع قزوینی صفحہ ۲۸۔ مجمع الرجال صفحہ ۱۰۱ "و ذکر جل علی اذن سلطان ابراہیم ان سیف الدین (؟) محمود یرید ان یذہب الی السلطان ملک شاہ بالعراق ...."

[2] دیوان صفحہ ۱۴۲ - کوئی ڈیڑھ سو برس بعد کی تاریخ - تاج المآثر (تالیف قرن ہفتم) میں یہ شعر نظر سے گزرا۔ کتبخانہ آصفیہ کے قلمی
باقی صفحہ [illegible] پر